ولید بن عبدالملک

(ثقافتی کارنامے)

۹۶ھ (۷۱۵ء) میں ولید بن عبدالملک کا انتقال ہوا۔ نو برس آٹھ مہینے اس نے حکومت کی اور کوئی تینتالیس سال عمر پائی۔ ولید بڑے عالم باپ کا جاہل بیٹا تھا۔ عبدالملک کا شمار اپنے دور کے مشہور عالموں میں تھا۔ حضرت زید بن ثابت کے بعد وہ مدینہ کا قاضی بھی رہا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے انتقال سے پہلے لوگوں نے دریافت کیا۔ آپ کے بعد ہم دین کی باتیں کس سے پوچھیں؟ آپ نے فرمایا مروان کا بیٹا عبدالملک عالم ہے اس سے پوچھ لیا کرو۔

ولید کی پرورش بڑے لاڈ پیار میں ہوئی تھی اس لیے پڑھائی کی طرف اس کا دھیان نہ رہا۔ عبدالملک کو اس کا بڑا افسوس تھا۔ آخر عمر میں یہ افسوس اور بھی بڑھ گیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ دربار میں بڑا خاموش اور غمگین بیٹھا ہوا تھا۔ روح بن زنباغ نے پوچھا: خیریت ہے! امیرالمومنین آپ کس فکر میں ہیں؟ عبدالملک نے جواب دیا۔ سوچتا ہوں اپنے بعد کسے حکومت کے لیے مقرر کروں۔ روح نے کہا: ولید جو ہے۔ عبدالملک نے کہا: وہ صحیح گفتگو تک نہیں کرسکتا۔ ولید نے یہ سنا تو دن رات محنت میں لگ گیا اور پڑھنے لکھنے میں کچھ شُد بُد پیدا کرلی۔

ولید نے حکومت سنبھالی تو اسے اس بات کا بڑا احساس تھا کہ وہ پڑھا لکھا نہیں ہے اس لیے اس نے تعلیم کے پھیلانے میں بڑی دلچسپی لی۔ عالموں کے لیے تنخواہیں مقرر کیں۔ طالب علموں کو وظیفے دیئے۔ بہت سے مکتب کھلوائے۔ جو لوگ کلام اللہ حفظ کرلیتے انہیں خاص طور پر بڑی رقمیں انعام دیتا اور جو کلام اللہ نہ پڑھ سکیں انہیں دُرّے لگواتا۔

ایک بار اس کا ایک رشتہ دار ملنے آیا۔ کہنے لگا: آجکل میں سخت پریشان ہوں میری مدد کرو۔ ولید نے جواب میں کہا۔ بتاؤ کہ تمہاری مدد کیوں کی جائے؟ اس نے کہا اس لیے کہ میں تمہارا رشتہ دار ہوں۔ ولید نے کہا یہ بات ٹھیک ہے۔ مگر یہ بتاؤ کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے جواب دیا۔ مجھے تو قرآن پڑھنا بھی نہیں آتا۔ ولید کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ بولا، پڑھنا نہیں آتا، یہاں آؤ، ہاتھ میں بید تھی۔ وہ شخص

پاس آیا تو اس سے خوب پٹائی کی پھر اپنے ایک ملازم سے کہا۔ اسے ساتھ لے جاؤ۔ خبردار اس وقت تک نہ چھوڑنا جب تک یہ اچھی طرح قرآن پڑھنا سیکھ نہ لے! یاد رکھو، تاکید ہے۔

عثمان بن یزید بن خالد اس موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ اے امیر المومنین! میں بھی قرض دار ہوں کچھ مدد میری ہو سکے تو مہربانی ہوگی۔ ولید نے کہا، ہاں ضرور، بتاؤ کتنا قرآن یاد ہے؟ جواب دیا گیا سب یاد ہے آپ امتحان لے لیں۔ ولید نے کہا، اچھا! سورۂ انفال کی دس آیتیں سناؤ! عثمان نے سنا دیں۔ پھر بولا، سورۂ توبہ کی دس آیتیں سناؤ! انہوں نے یہ بھی سنا دیں تو بولا۔ تمہارا قرض میں ضرور ادا کروں گا اور اب تمہارا زیادہ خیال بھی رکھوں گا۔

علم کے معاملے میں تو خیر وہ باپ کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا لیکن سخاوت میں وہ باپ سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ مسجد نبویؐ، مسجد اقصیٰ اور جامع دمشق جاتا تو غریبوں کو اشرفیاں بانٹا کرتا۔ رمضان کے روزے برابر رکھتا۔ اس کے علاوہ ہر پیر اور جمعرات کو پابندی سے روزہ رہتا۔ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں۔ رمضان کے دنوں میں ہر روز ایک کلام پاک ختم کرنا اس کا معمول تھا۔ عام دنوں میں وہ تین روز میں ایک قرآن ختم کیا کرتا۔

مملکت اسلامیہ میں وہ پہلا فرمانروا ہے جس نے مفت علاج کے لیے دواخانے تعمیر کرائے۔ گداگری کا پیشہ بالکل بند کرا دیا۔ غریبوں کے لیے محتاج خانے کھولے۔ معذوروں کی خدمت کے لیے نوکر چاکر ملازم رکھے۔ یتیموں کے کھانے پینے اور پڑھائی کا خاص طور پر انتظام کیا۔ ان معاملات میں وہ ذاتی طور پر دلچسپی لیتا تھا۔ اس نے مسافروں کے لیے مسافر خانے بنوائے جہاں انہیں کھانا بھی تقسیم ہوا کرتا تھا۔ رمضان کے دنوں میں اس نے ہر مسجد میں سحری اور افطاری کا انتظام کر رکھا تھا۔

ملک کے نظم و نسق پر اس کی گہری نظر تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی وہ برابر کی دلچسپی لیتا۔ کہتا تھا، عوام کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ بازار میں چیزیں مناسب داموں پر ملیں۔ خود دوکانوں پہ جا کر بھاؤ معلوم کرتا۔ ایک ایک چیز اٹھا کر اس کی قیمت پوچھتا۔ سبزی ترکاری تک کی دوکانوں پر خود جاتا تھا۔ افسروں کو سخت تاکید تھی کہ شہر میں گشت لگاتے رہیں اور بازار کے تمام بھاؤ کی نگرانی کریں۔ خود ان کی نگرانی کیا کرتا تھا۔

ولید کا عہد حکومت دو باتوں کی وجہ سے بڑا ممتاز ہے۔ فتوحات اور تعمیرات کے لیے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے علاوہ تاریخ اسلام میں کسی اور حکمران کی فتوحات اس کے برابر نہیں۔ اس کے عہد میں سمرقند و بخارا فتح ہوا اور مسلمان ایک طرف چین کی سرحدوں میں پہنچ گئے۔ دوسری طرف سندھ اور اندلس فتح ہوا اور مشرق اور مغرب کے دور دراز گوشوں تک اسلام پھیلا۔ اس کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد تاریخ اسلام کے عظیم ترین سپہ سالاروں میں سے ہیں۔

تعمیرات کا اسے بے انتہا شوق تھا۔ سڑکیں، نہریں، کنویں، محتاج گھر، مکتب اور شفا خانے تو اس نے بہتیرے بنوائے تھے لیکن اس کی شاندار یادگار مسجدیں ہیں۔ حضور اکرمؐ کے روضۂ مبارک کے اطراف دوہری دیوار اس نے بنوائی تھی۔ مسجدِ نبویؐ کی دوبارہ تعمیر میں اس نے غیر معمولی اہتمام کیا تھا۔ اسی طرح مسجدِ اقصیٰ کو اس نے بہتر بنانے کی کوشش کی۔ جامع دمشق کی تعمیر اس کا سب سے اعلیٰ تعمیری کارنامہ ہے۔

امیر معاویہؓ نے دمشق کی حکومت کا صدر مقام بنانے کے بعد یہاں اپنے لیے ایک محل تعمیر کیا۔ اس کا نام الخضرا تھا۔ بنو امیہ کے تمام حکمران یہیں رہتے تھے۔ ولید نے اس کے بازو جامعِ دمشق کی بنیاد رکھی۔ یہ مسجد شہر کے عین بیچ واقع تھی۔ حکومت سنبھالتے ہی ولید کے ذہن میں یہ مسجد بنانے کا خیال آیا۔

عراق عرب اور عراق عجم کی فتح کے بعد ہی مسلمانوں نے جب دو نئے شہر کوفہ اور بصرہ آباد کیے تو ایران سے بہت سے راج مزدور کھنچ کر یہاں آنے لگے۔ حضرت عمرؓ کی زندگی میں عجمی معماروں کی ایک بڑی تعداد مدینے میں بھی آبسی تھی۔ مدینہ کی شہری مملکت پھیلتی جا رہی تھی۔ خود حضور اکرمؐ کی زندگی ہی میں اس کے حدود اس قدر تیزی سے پھیل رہے تھے کہ ایک محتاط اندازے کے مطابق مدینہ کی مملکت میں روزانہ ۲۷۴ مربع میل کا اضافہ ہو رہا تھا۔ حضورِ اکرمؐ کی وفات کے وقت مملکت کے حدود کا اندازہ دس لاکھ مربع میل کہا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ حدود اور بھی تیزی سے پھیلتے گئے۔ پھر حضرت عثمانؓ کے عہد سے لے کر ولید بن عبدالملک کے زمانے تک اس میں عظیم الشان اضافہ عمل میں آیا۔ ظاہر ہے کہ دولت کھنچ کر ملک میں آئی تو بہتر سے بہتر عمارتیں بننے لگیں۔ جب ولید نے جامع دمشق کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تو اس نے اپنی سلطنت کے ہر حصے سے بہترین راج مزدور، کاریگر اور عمارت ساز بلوائے۔ موجودہ مراکش اور الجزائر سے کام کرنے والے آئے۔ یہ انہی لوگوں کے بھائی بند تھے جنہوں نے حضرت عقبہ بن نافع کو قیروان بسانے اور وہاں کی شاندار مسجد تعمیر کرنے میں مدد دی تھی۔ اسکندریہ اور فسطاط سے بھی فن کار آئے تھے اور تعمیر کے لیے وہاں سے خاص قسم کا مصالحہ بھی آیا۔ اسی طرح ایران اور ہندوستان سے کام کرنے والوں کی بڑی تعداد آئی۔ بازنطین طرزِ تعمیر کے ماہرین کو ولید نے قسطنطنیہ سے خیال ہے کہ کوئی بارہ ہزار معمار اور مختلف فنکار مسجد بنانے میں لگے رہے اور انہوں نے کوئی نو سال کے عرصہ میں اسے مکمل کیا۔ مسجد کی تعمیر اور آرائش پر جو خرچ آیا اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہمارے حساب سے کوئی چودہ کروڑ روپے کے لگ بھگ خرچ بیٹھا۔ کہتے ہیں شام کا سات برس کا خراج اس کی تعمیر میں صرف ہوا۔ ایک خیال ہے کہ اس زمانے میں چھپن لاکھ اشرفیاں خرچ ہوئیں۔

جس شان سے اِس مسجد کی تعمیر کی گئی اس کا اندازہ شاید اس بات سے ہو سکے کہ صرف جزیرۂ قبرص

سے اٹھارہ جہازوں میں بھر کر چاندی اور سونا آیا تھا۔ تعمیر میں اعلیٰ سامان استعمال کرنے کی کوشش کی گئی۔ دوسرے درجے کی کسی چیز کو ہاتھ ہی نہیں لگایا گیا۔ جس جگہ کا سنگ مرمر مشہور تھا وہیں سے منگایا گیا۔ ایک اور قسم کا اعلیٰ درجے کا پتھر جو سماق کہلاتا تھا منتخب کانوں سے نکلوایا گیا۔ اسی طرح خاص نقاش اور معمار بھی اس کی طرف سے آئے تھے جن میں کچھ یونانی ماہرِ فن کار بھی تھے۔

مسجد کا نقشہ بنیادی طور پر مسجدِ نبویؐ کے نمونے پر ہی بنایا گیا تھا۔ لیکن یہ مسجد کچھ اور ہی چیز تھی۔ دیواریں سنگ مرمر اور سنگ رخام سے بنائی گئی تھیں۔ ستون سخت پتھر کے تھے۔ اس خوبی اور نفاست سے تراشے گئے تھے کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک ایک ستون پر کئی کئی سو اشرفی خرچ بیٹھا تھا۔ عمارت میں مختلف رنگ کے پتھر استعمال کیے گئے۔ بہترین محرابیں بنائی گئی تھیں اور انہیں بڑے دلکش طریقے سے سجایا گیا تھا۔ ان پر سونے کا پتر منڈھا ہوا تھا اور بیل بوٹوں میں قیمتی جواہرات لگے ہوئے تھے۔ در و دیوار پر اعلیٰ درجے کے سونے کے نقش اور لاجوردی کام کیا گیا تھا۔ چھت آبنوس اور شیشم کی طرح کی بہت قیمتی لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ چھت میں جو باریک اور نفیس کام کیا گیا تھا اُسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ چھ سو فانوس سونے کی زنجیروں میں بندھے چھت پر لٹک رہے تھے اور ایک سے ایک بہتر طغرے محرابوں اور دیواروں پر لگے تھے۔

یہ وہ زمانہ ہے جب مسجد قرطبہ بنی نہ تھی نہ قصر زہرا تعمیر ہوا تھا نہ الحمرا۔ جامع دمشق سے مسلمانوں کی تعمیرات کا عظیم الشان دور شروع ہوا۔ اسلامی فنِ تعمیر کا یہ بہت اہم موڑ ہے۔ عمارت سازی میں مرصع کاری اور صناعی کا دخل یہیں سے شروع ہوا۔ اس مسجد میں تین مرتبہ آگ لگی۔ جامع دمشق کا اس وقت کی بہترین عمارتوں میں شمار ہوتا تھا اور دنیا کی عجیب و غریب عمارتوں میں اس کا پانچواں نمبر سمجھا جاتا تھا۔ دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ اسے دیکھنے آتے تھے۔ یہ مسجد سونے چاندی کے پتھروں سے جڑی ہوئی تھی۔ اور بے شمار جواہرات اس میں لگے تھے۔ خیال ہے کہ ایسی مرصع کاری اس دور کی کسی عبادت گاہ میں دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ کچھ دنوں بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز بر سرِ حکومت آئے تو انہیں یہ آرائش و زیبائش نامناسب معلوم ہوئی۔ دل ہی دل میں انہوں نے یہ طے کر لیا کہ مرصع کاری کا سب سامان نکلوا کر بیت المال میں داخل کرا دیں گے۔ اتفاق کی بات کہ اسی زمانے میں رومی سلطنت کے کچھ سفیر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ انہوں نے جامع دمشق کی بڑی تعریف سُنی تھی اسے دیکھنا چاہا۔ جب شاہی سفیر مسجد دیکھ کر نکلے اور دوبارہ امیر المومنین کی خدمت میں باریاب ہوئے تو مسجد کے حسن اور زیبائش سے اس درجہ متاثر تھے کہ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا۔ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا عروج چند روزہ ہے لیکن اس مسجد کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مسلمان زندہ رہنے والی قوم ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ رائے سُنی تو اپنا خیال بدل دیا۔